

کے عالم میں زبان سے بکل گئے، بعض واقعات اور دلیلوں سے معلوم ہوئے جس کی تفصیل کو حضور کی سمع خراشی کے لحاظ سے میں فردو گذاشت کرنے پر مجبور ہوں ٹھیک اُسی طرح جیسے دانہ دانہ خرمن اور قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے ایک مدت میں اس غاٹ کو جملہ حالات معلوم ہو گئے۔ سرکار سے اس امر کے اظہار کی میں معافی چاہتا ہوں یہ فی الحال نہ لاث ادب ضرور ہے کہ جوراً حضور نے مجہہ سے پوشیدہ رکھا میں اُس کی تقدیش کروں۔ اور پھر متعددانہ اپنی راقیت کا اظہار بھی کروں۔ جب یہ راز مجہہ پر منکشف ہو گیا تھا، خیر خواہی نے مجبور کیا کہ میں عرض کر دوں، کیونکہ اب نہ کہنا سرکار کو ایک قسم کا فزیب دینا تھا۔ کم از کم خادم کو بھی خیال ہوا۔

خورشید مرزا۔ نہیں تمہارا کوئی فصور نہیں ہے میں خود کسی مناسب وقت پر تم سے ضرور کہدیتا، تمہاری کم سی کے خیال سے نہیں کہا گیا۔ کیونکہ تم کتنے ہی لائق اور ہوشیار کیوں نہ ہو جاؤ میری نظر میں تمہارا تو دہی زمانہ ہے جب تم دو انگل کی لشکوں باندھنے نہیں بولی سے پھر اکرتے تھے۔

مرآد علی۔ ذرا جھیپ کے گردن جھکالی، یہ سرکار کے بزرگانہ الطاف کا پورا ثبوت ہے۔ یہ سرکار کی قدر دانی ہے کہ کسی وقت مجہہ کو رازداری کے قابل تصور فرمائے۔ خورشید مرزا۔ معلوم ہوا کہ بہر طور اس اہم معاملہ کا تو تم کو علم ہے بس اس کو دل میں رکھو اور وقت مناسب تک سکوت اختیار کرو، اور وقتاً فو قتاً مناسب احکام کی تعلیم کے لئے آمادہ رہو۔ پھر مرآد علی کی طرف دیکھو کر کیا تھیں کچھہ اور اس معاملہ میں کہنا ہے۔

مرآد علی۔ ابھی خاص واقعہ قابل توجہ خادم نے عرض ہی نہیں کیا جس کے لئے یہ تمہید اٹھائی اور سرکار کی سمع خراشی کی۔ مگر قبل اس کے کہ کچھہ عرض کر سکوں ایک امر سرکار سے دریافت طلب ہے۔ وہ یہ ہے کہ کیا علی جان کا کوئی حقیقی بھائی بھی تھا۔

خورشید مرزا۔ دچک پڑے وہ نہ جانتے تھے کہ مرآد علی اس حد تک اس معاملہ سے

و افجح کہ وہ خورشید بیگم کا علی جان سے نکلا ہونا بھی جانتا ہے) تم علی جان کو بھی جانتے ہو؟۔

مرآد علی۔ صرف اس قدر کہ وہ اختری بیگم کے باپ تھے، اور کچھ ان کے بارے میں نہیں جانتا۔

خورشید مرزا۔ (دل میں اور اس سے زیادہ کیا جاننے کی ضرورت ہے) صرف اسی قدر کہ وہ اختری کے والد تھے۔

مرآد علی۔ (کے چہرے پر وہ بشاشت نظر آئی تھے جیسے کسی جنگ میں حریف کو مغلوب کرنے سے ہوئی تھے، اب مرآد علی خورشید مرزا کے اهطراب سے لطف اٹھا رہا تھا۔ جس طرح ظالم سرکاری کسی مرغ نیم بسل کے پھرٹ کے نے خوش ہوتا ہے، کلام کا انداز بالکل مود بات اور نہایت ہولت کے ساتھ جس میں شابہ جوش کا نہ تھا) مجھے چند ہی روز سے بعض اہم واقعات کا علم ہوا ہے، یہ بھی حسن التفاق ہے ممکن ہے کہ میں کسی نہ کسی طرح سرکار کی کوئی خدمت کر سکوں۔

خورشید مرزا۔ (بد حواس ہو کے) کو نسا اہم واقعہ؟

مرآد علی۔ دل میں لواب صاحب نے گویا نہیں سنایا میر امطلب نہیں سمجھا، علی جان کے بھائی میاں جان کا پیدا ہونا۔ مگر اختری بیگم کے حقیقی دارث ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور یہ راز جن دُورانِ لیشیوں سے اختیار کیا گیا ہے وہ بھی مجھے سے پوشیدہ نہیں رہا۔ بہر صورت اختری کو کوئی لفڑان نہیں پہنچ سکتا۔

خورشید مرزا۔ (بہت خوش ہو کے) گویا خوشی مخفی مصنوعی تھی جس کو مرآد علی خوب سمجھتا تھا، پھر کوئی محل تردید کا نہیں ہے، اصلی مقصد تو یہی ہے کہ اختری محفوظ رہے۔

مرآد علی۔ (شاپد لواب صاحب اپنک مجھے پیچ پکھ سمجھتے ہیں جیسے ابھی محبت سے اٹھا رہ فرمایا تھا) مگر اس میں ایک بات ہے شاید حضور نے اُس طرف توجہ

ہیں فرمائی۔ یعنی اختری بیکم کے ولی ہونے کا حق۔ اس لئے کہ میاں جان حقيقة چاہتے اگر وہ ظاہر ہو کے نا بالغہ کے ولی ہونے کا دعویٰ کرے تو قانوناً کامیاب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ گیوں نکہ ظاہر ہے کہ سرکار سے دور کی رشتہ داری ہے وہ بھی ماں کی جانب سے۔

خورشید مرزا۔ اس کے اضطراب کی وجہ حالت تھی جس کا مراد علی ایسے چلتے پڑے سے پوشیدہ رکھنا غیر ممکن تھا۔ اگرچہ خورشید مرزا نے کمال خودداری کو قائم رکھا اور لب و لہجہ سے استقلال ظاہر کی۔ لیکن مجبوری بڑے زور سے دبائے ہوئے تھی جیسے کسی کو شکنجه میں کس دیا ہو۔ بلکہ قبر کے فثار کا سا عالم تھا، کیونکہ یہ اُن کے سان گمان میں نہ تھا کہ میرے سوا اور کوئی اختری کا ولی ہو سکتا ہے۔ ماں نے ہاتھ میں ہاتھ دیا، کلکتہ ہائی کورٹ نے ولایت کا سار ٹیکٹ عطا کیا۔ اس سے بڑھ کے کیا بچگی ہوگی یہ قانونی ولی گہاں سے بدل آیا وہ اختری کو جس کو میں لے: بچوں کی طرح گھر میں رکھا اب وہ مجبہ سے زبردستی چھین لی جائے گی۔ خورشید مرزا نے نہایت دلیر ہو کے یہ پیرا یہ تقریر کا اختیار کیا، جیسے کوئی دوستا ہوا تنکے کا سہارا لیتا ہے، مراد علی میرے خیال میں کوئی چھا اختری کا زندہ موجود نہیں ہے۔ جب ہائی کورٹ سے اشتہاری ہوا سوت اُس کو سما میں آکے عذر دار ہونا تھا۔ اب کیا ہوتا ہے۔

مراد علی نے خورشید مرزا کو اپنی تقریر سے بیوتوں بنایا، سرکار قانون کے اونچ پنج سے واقف ہیں، خادم دن رات یہ کرشمے دیکھا کرتا ہے، لاعلمی کا ثبوت کچھ ایسا مشکل نہیں ہے اول تو نام بروہ ایک ہندوستانی ریاست میں مددوں سے ملذم ہے۔ شاید آجکل اجتنی میں ہے جو مہاراجہ جیا جی راؤ سندھیہ کی علداری میں ہے، دوسرے شاید وہ ثابت کر سکے کہ جب یہ سار ٹیکٹ حاصل کیا گیا ہے تو مدعا ملک عرب میں بھی رسوم ادا کرنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ اور وہاں کئی سال تک رہا۔ اب آیا ہے اور آنے کے

چند روز کے بعد اُس کو علم ہوا ہے۔ جس تاریخ سے وہ اپنا علم ثابت کرے گا، اس درہ
تاریخ بنار مخالفت قرار پائے گی۔

خورشید مرزا۔ (اس جواب کی میانت اور معقولیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے مگر
اپنی بے پرواہی کے انہا کے لئے کہا، یہ دُور از کا رخمالات ہیں دیکھا جائے گا، پیش
از مرگ واویلا، کیا ضرور ہے۔ کہتے تو یہ کہہ رہے تھے مگر دل کا جو عالم تھا وہ دل
ہی جانتا تھا۔

مرآد علی۔ ایک تارہ چھپا ہوا اخبار جیب سے بکال کے، لواب صاحب کو ایک
اشتہار دکھایا۔

اشتہار کا مضمون یہ تھا!

”میری حقیقی بھتھی اختری بیگم سن تھیناً سولہ برس میرے حقیقی بھائی علی جان
مِرِ حوم ساکن میا برج کلکتہ کی بیٹی مسماۃ خورشید بیگم کے بطن سے مفتودا تھر ہے جو شخص
اس کے ٹھیک پتہ سے جھکو اطلاع دے گا۔ سور و پیہ ایغام کا مستحق ہو گا۔“

المشتہر، میاں جان صوبہ دارپشن خوارگو الیار ساکن چھاؤنی اجین

باب ۳

سعدیا مرذہ بہار بیار پڑھ بروم شوم گذار

خورشید مرزا کے خیالات مرآد علی کی طرف سے بُرے نہ لئے، آج پہلا دن تھا
کہ خورشید مرزا کا دل اُس کی طرف سے پھر گیا۔ اس کی کوئی وجہ معمول ہو یا نہ ہو، اولاً
تو بد خبر دیتے والا کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ خصوصاً جبکہ بُری خبر دینے والے
کی نیت بھی بُری ہو۔ مرآد علی کی نیک نیتی گو اُس کی انداز گفتگو سے ظاہر ہے۔ اعتدال

سے زیادہ مصنوعی ادب کا اظہار صدرت سے زیادہ سرکار اور حضور اور خادم اور
کے استعمال نے تقریر کو سامنہ خراش نہ دیا تھا۔ پھر اُس کے بشرہ سے اُس خلوص کے
اظہار کے خلاف شہادت ملی تھی وہ گویا خورشید مرزا کی مایوسی اور مجبوری پر مسخر کر رہا
تھا۔ جب خورشید مرزا غور کر رہے ہے لئے کہ آخری کا پتہ مشتہر کو کون دے گا تو
سب سے پہلے مرآد علی کا نام اُن کے ذہن میں آیا نہ صرف اس لئے کہ مرآد علی کو
سور و پلے کے انعام کا لائچ ہے بلکہ اس لئے کہ اگر یہ مقدمہ چھڑا تو مرآد علی خود
مدعی کا شرکیہ ہو جائے گا یا پوشیدگی سے ساز کر لے گا۔ وہ کھلم کھلا شرکت کرنے
سے بھی بدتر ہے۔ کبھی کبھی خورشید مرزا کو یہ گمان ہوا کہ شاید یہ پورا قسم مصنوعی ہو۔ مگر
مرآد علی کی طرز تقریر سے جو سراسر خورشید مرزا کے خلاف تھی اصلیت یا نی جاتی ہے
اُن کو یہ خیال تھا کہ اگر یہ قسم مصنوعی ہوتا تو مرآد علی ایسا دلیر بن کے گفتگو نہ کرتا۔ کبھی
کبھی یہ بھی گمان ہوتا تھا کہ مرآد علی اگر خیر خواہ نہیں ہے تو بد خواہ بھی نہیں ہے جو لفغ

اُس کو مدعا سے مل سکتا ہے میں اُس کے دیتے نکلنے موجود ہوں، مراد علی کے چھا
لے عمر بھر میر انہا کھایا ہے، مراد علی خود خانہ زادوں کی طرح میرے گھر کے مکانے
کھا کے پلا ہے۔ اب ایسا بھی کیا اندھیرہ ہے کہ مراد علی میرے ہی گلے پر جھپڑی پھر لے
کو آستین چڑھاٹے گا۔ میں نے نہ اُس کے چھا شیخ احمد علی کے ساتھ کوئی بُرا ای
کی نہ مراد علی کے ساتھ پھر مراد علی میراوشمن جانی کیوں ہونے لگا۔ ”خود شید مرزا کو
یہ علم نہ تھا کہ خود غرض بندہ زر مردست کو گناہ غلطیم جانتے ہیں“ از بیک یہ خبر مجہہ کو
قدرتاً ناگوار ہے اور اُس نے محض از راہ خیرانہ لشی مجہہ کو آنکا ہ کیا۔ خبر کی ناگواری
لے خردی نے دل کو میری نظر میں بُرا بنادیا۔ غردنکہ خود شید مرزا کے دل نے ابھی
کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ مراد علی کی نیکی اور بیک خواہی کا خیال غالب ہے۔

بائیں

جعفری کی فرمائش اور صاف جواب

آج ہم پریشانی خاطر اُن سے۔ پہنچنے جاتے ہیں پر دیکھو کیا کہ تو ہمیں
جعفری بیگ، پھر گھر پر آگئیں نادری کی چند روزہ حکومت کا زمانہ ختم ہوا۔ کنجیوں
کا کچھا نادری کے کمر بند سے کھل کے جعفری کے قبضہ میں آیا۔ جعفری جو کچھہ حصہ چھوڑ
گئی تھیں اس کا صفائیا ہو گیا تھا۔ کھی، تیل، انک، مصالح سب غائب تھا۔ کچھہ تو نادری
کی ناجربہ کاری سے ماموں کو خوب اڑانے کا موقع ملا، باغ کی مہان داریوں میں بھی اچھا
خاصہ صرف ہوا۔ جعفری کی قسمت میں دن رات کا جھینکنا لکھا تھا۔ اے لو میرے
پیچھے خوب لوٹ ہوئی۔ دو ہمیں کے حساب سے انہیں آیا تھا، مجھے گئے ہوئے ایک ہمیں
ہوا۔ ایکوں بُوالفین حساب تولکا د۔ لفیت ہاں میں ہاں ملانے والی، ہاں بُوی ہمیں
تو ہو گیا۔ دہی میری نواسی تکلوکی دودھ بڑھا ہی کے دوسرے دن آپ سدھاری تھیں،
چڑھتا چاند تھا۔ اے لو پھر وہی چڑھتا چاند ہے وہ پارہ دفات کا ہمیں تھا اب میرا جی ہے۔
جعفری۔ انگلیوں پر حساب کر کے، ہاں ایک ہمیں سے دو دن اور پہ ہوئے
نا صاحب میں ایسی گھر سے باز آئی، با داجان آئیں تو میں کہوں اب بی نادری گھر
واری کریں۔

مگر یہ سب زبانی با تیں تھیں، جعفری کو حکومت کا مزا تھا بھلا دہ کبا دری کو
اختیار دے سکتی تھی، جھینک پیٹ کے آخر چپ مورہ ہی۔ نادری کو سالگردہ کے دن پیچا

روپیہ دے، آخرتی کو چنکے روپیہ دیا جاتا ہے، اب میری باری ہے آئندو
بادا جان کو۔ جعفری توان خیالوں میں تھیں ان کو کیا معلوم تھا کہ بادا جان کے
دل پر کیا گذر رہی ہے۔

ہر سخن موقعہ وہ نکتہ مقایلے دارد

خورشید مرزا مکان میں لئے مگر کوئی سمجھہ سے کام لیتا اور اُس کے لبڑہ کی
طرف دیکھتا تو اُس کو معلوم ہوتا کہ وہ سخت پرستی کے عالم میں ہیں پرستی کا بدن باطن
کو معلوم ہے۔ اپنی جائیداد پوری تلف ہو چکی ہوئی اگر آخرتی کا روپیہ نہ ہوتا نیلام
ہو جاتی۔ آخرتی کی رضا مندی سے ہی مگر وہ کم سن نا سمجھہ ہے دولت کی قدر نہیں
جانتی اُس کی ماں نے میرے حوالہ کیا تھا۔ مجھکو نہایت دیانت سے کام کرنے والا اُس کے
روپیہ سے ایک جتنا اپنے صرف میں نہ لانا تھا، اگر اُس کی ماں زندہ ہوتی اور مجھ سے کہیں
حساب لیتی تو مجھہ کو کیا سمجھتی، اچھا وہ تو مرگی مگر خدا تو زندہ جاوید ہے۔ قیامت کا دن
دُور نہیں۔ قیامت بھی دُور سہی، یہ میاں جان کہاں سنے نکل آیا اگر کل آتے کے مجھہ سے
حساب نہیں کرے اور هزار کرے گا۔ تو پھر؟ کس قدر خوفناک نتیجہ ہو گا۔ جیل خانہ!
اس ضعیفی کے عالم میں قید بامشتقت چار دن بھی زندہ نہ رہوں گا۔ مر جانا تو سہل ہے
یہ زندگی بھر کی نیک ناجی خاندابی زیارت آج تک عزت سے بسر ہوئی۔ اب آبر و پر
بن گئی۔ ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ہر ہر کے دری
مراد علی۔ اس وقت کوئی خیر خواہ ہے تو وہ مراد علی ہے۔ شیخ احمد علی کا زندوں میں
شمار نہیں۔ اب آبر و مراد علی کے ہاتھے ہے کہتا تو ہے کہ حقیقت و کوشش کر کے مدد
کر ادؤں گا۔ جائیداد آخرتی کے نام منتقل ہو جائے گی۔ میں جائیداد سے باز آیا، خاندابی
دشیقہ پیش سوا سور و پے ماہوار اسی بسرا و قات ملکن ہے، تنگی سے ہی مگر آبر و تو زیج
جائے گی۔ اور اگر خدا نخواستہ میاں جان مصالحت پر راضی نہ ہوا اور قانونی گرفت کی تو

سخت مشکل کا سامنا ہو گا۔ پھر سوائے قید کے کوئی پہلو منفر کا نہیں نظر آتا۔ خورشید مرزا کے یہ خیالات تھے اسی حالت میں جعفری نے اپنی صحنی میں بلا کے ایک کھواب کا پاجامہ بنت ڈی ہوئی۔ بہت بھاری کوئی پانچسوکی تیاری کا جو کہیں سے لے کر آیا تھا دکھانے کے۔

جعفری۔ اپا جان یہ پاجامہ لے کر آیا ہے پانچسوکی تیاری کا ہے مگر جن کا پاجامہ ہے وہ آجھل مفلس ہیں سب اسباب اپنا فروخت کر رہی ہیں، بیجا ری کہ بلا جانیوالی ہیں سور دیس سے کم قیمت کوں جائے گا۔ میرے اچھے آپا جان یہ پاجامہ مجھکو لے دیجئے۔ اللہ آپ نے نادری کو پیاس روپیہ سال گرد میں دئے، میں تو کبھی آپ سے کچھہ مانگتی نہیں یہ پاجامہ مفت جاتا ہے۔

خورشید مرزا۔ سخت برہم ہو کے، تم کو معلوم بھی ہے مجھ پر کیا بنی ہے رجھ خیالات اصل تھے وہ کسی سے کہنے کے نہ تھے، خدا جانے کس طرح معمولی خرچ چل رہا ہے۔ آجھل اتنا روپیہ فضول اخراجات کے لئے ہرگز ممکن نہیں، بس یہ کہہ کر آٹھ کھڑے ہوئے۔ دوبارہ کچھہ کہنے کا بھی جعفری کو موقع نہ دیا۔

جعفری، ما یوس ہو کے رہ گئی مگر انہا کا غصہ آیا، لے لونادری کو چکے سے پیاس چوالي کئے، اختری کو برابر روپیہ دیا جاتا ہے۔ ہاں وہ بھی اختری کی سفارش سے نہیں تو میری طرح اُس کو بھی صاف جواب مل جاتا ہے تو جو میں بی اختری ہیں، اچھا لو اب اختری اس گھر میں رہیں گی یا میں رہوں گی۔

اگر اختری کو جعفری کی فرمایش کا حال معلوم ہو تو اس طرح بتا مت سے خوشاب سے اُس کو روپیہ دیتی مگر اُس سے کیوں کہتیں اور کیوں لیتیں وہ تو باوا جان کی

بیٹی تھیں مری ہوئی ماں کی اصل قائم مقام تھیں۔

اس واقعہ سے جعفری کو اختری سے سخت نفرت پیدا ہو گئی، اب وہ گویا گھلہ کھلا

اختری کو آزاد رہ پہنچانے کے درپے ہو گئی۔ اُس لے دل میں ٹھان یا کہ میں اختری کو کسی
نہ کسی موقع پر گھر سے نکال کے رہوں گی۔

انھیں دلوں میں جعفری کو ایک پرچہ کاغذ انگناہی میں پڑا ہوا مل گیا جو غالباً
خوشیدہ مرزا کی جیب سے گرفتہ تھا۔ یہ اختری کا رقم قعہ تھا:-

ماموں جان جو پھاس گئیاں آپ لے عدایت کی تھیں وہ صرف ہو گئیں۔ اب
سو گئیاں مجھہ کو اور دیجھے ایک غریب شریف زادی کا عقد ہے کجھہ اُس کو دوں گی آماں
جان کے روزے نماز کے لیے تو آپ کی شفقت سے جو کجھہ دینا تھا دیدیا گیا۔ حج اور
زیارت کے لئے سات سو روپیہ دینا ہیں، ایک سینہ بڑے نمازی پر ہمیز گارہ جناب قبلہ
کعبہ کی تجویز اور ہدایت سے نیابت حج بجالائیں گے اور بھی اسی قسم کے اخراجات ہیں،
زیادہ حد اداب، فقط علیفہ ادب "اختری"

اس رقمہ کو پڑھ کے جعفری کو جنیون سا ہو گیا اللہ ہم کو اسی نوے روپیہ نہ دئے
گئے اور یہ سندھ سو کی رقم اختری کو چکے سے مل گئی۔ اس کے بعد ہزار لے چکی تھیں۔
یہ آماں کون تھیں؟ اہا اب کھلا یہ ہماری آماں کی سوت تھیں! تو کیا اختری اتابا جان
کی بیٹی ہیں، نہیں نہیں، تو پھر وہ ماموں جان کیوں کہتی خدا جائے کیا ہمیر پھر ہے
یہ اختری کی آماں جان ہونہ ہوا ابا جان کی..... ہوں۔ کوئی رندی ہو گی۔ جعفری نے
جو ش انتقام میں ایک مری ہوئی باعصمت شریف زادی کو رندی بنا دیا اور اپنے
باپ کو بھی عیب لگا دیا۔

اختری کے جلاپے میں جعفری کو باپ کے ادب کا بھی خیال نہ رہا اُس لے باپ
کی طرف سے ناپاک خیالات کو دل میں جگہ دے کے خود گناہ مگار ہو گئی، کسی کی طرف
سے بدگماں اچھی نہیں۔ خصوصاً ماں باپ مگر رشک وحدتے دل میں آگ لگا رکھی تھی۔
انتقام پر ایجاد رہی تھی، اُس کا بس نہ تھا کہ اختری کا قیمہ بنائے چیز کو دن کو باخت

دے۔ کچھ بس نہ چل سکتا تھا اس لئے دل میں کینہ رکھنے پر مجبور تھی۔

اس درمیان میں خورشید مرزا اور آخرتی سے اکثر علیحدہ باتیں ہوئیں۔ خورشید مرزا۔ یاد کرو کہ تمہارے باب کے کوئی بھائی بھی تھے۔ آخرتی نے کسی کو دیکھا تھا۔ تمہاری ماں کے ہزاریوں کو تو اچھی طرح جانتا ہوں مگر تمہارے باب کے قرابت داروں کا حال مجھے نہیں معلوم۔ تم نے اپنی ماں سے کسی کا نام مُنا ہوتا یا کر کے بتاؤ۔ کس سے پوچھوں سخت حیرانی ہے۔

آخرتی۔ جی نہیں آیا جان کا کوئی بھائی نہیں ہے۔ سنتی ہوں کہ ایک بھائی تھے مگر میں نے ان کو نہ دیکھا نہ ان کا کوئی تذکرہ مُنا، شاید وہ آباجان کے مرلنے سے پہلے ہرگئے ہوں گے۔

خورشید مرزا۔ تو تمہیں اچھی طرح یاد نہیں۔ تم کہتی ہو شاید۔ مرگئے ہوں یہ شبہ کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ زندہ ہوں بلکہ مرآد علی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

زندہ ہیں۔

آخرتی۔ اس معاملہ میں مرآد علی کا نام مُس کے سمجھئے کئی کہ اسی کا شکوفہ چھڑا ہوا ہے مگر خورشید مرزا سے مرآد علی کی خیر خواہی کی تعریف بار بار سن چکی تھی اس لئے اسکو مرآد علی کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت، نہ ہوئی۔ ما مous جان مرآد علی کو اچھا سمجھنے ہیں میرا بدی کرنا خلافِ مزاج ہوگا۔

آخرتی نے یہ دی کہ بھائی جعفر علی سے تو مشورہ لیجئے دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں، وہ کبھی کلکتہ جایا کرتے تھے انہوں نے آباجان کو بھی دیکھا تھا۔ شاید ملے بھی ہوں۔

خورشید مرزا۔ ماں ہاں یہ تم نے اچھی صلاح بتائی۔ دخورشید مرزا نے اس مشورہ کو پسند کیا بلکہ ان کو پہلے بھی یہ خایال آیا تھا۔ بلکہ جعفر علی سے وہ اس معاملہ

میں مشورہ لینے سے پس و پیش کرتے تھے۔ اس کے اکثر وجہ تھے ایک تو جعفر علی خورشید
مرزا کے بھائی تھے اس لئے وہ اختری کے طرفداروں میں تھے دوسرا تھے خورشید
مرزا سے ہر طرح چھوٹے باعتبار سن کے رشتہ میں بھی اور اب ان سے دامادی کا رشتہ
ہوا تھا والا لاحقاً بلکہ تقریر کے اعتبار سے گویا ہو چکا تھا۔ خورشید مرزا اختری کے مال میں ہتھ
پکجھہ تصرف کر چکے تھے۔ اس لئے وہ جعفر علی سے کہتے ہوئے ذرا جھینپتے تھے۔ ان کا
خیال تھا اور بجا نہ تھا کہ چھوٹے داماد کی نظروں میں حیرت موجاول ہے، آخر یہ خیال قائم
رہا کہ جعفر علی کچھہ مجھ سے حساب تو پوچھنے کا ہنس۔ شاید اتنی جرأت میرے مقابلہ میں
نہ ہوا چھا تو مشورہ کرنا چاہتے ہے۔)

خورشید مرزا۔ ہاں جعفر علی کو بلا کے کہوں گا وہ بھی لاٹ ہیں معقول مشورہ
دیں گے، یہ کچھہ کے خورشید مرزا دیوان خانے میں چلے گئے اور امام علی خدمتگار کو جعفر علی
کے پاس روانہ کیا، اس اثنا میں مراد علی آگیا۔ اُس سے باتیں ہوئے بلکیں۔ اختری کا کمرہ
قریب تھا اس لئے جو باتیں ہو میں اختری نے سب سئیں، اختری کو یقین ہو گیا کہ
مراد علی جھوٹ مانہتے۔

مراد علی۔ میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ اختری بیگم کی جائیدا اپنے نام منتقل
کر لیجئے اور اس روپیہ کو ضرورت بلا ضرورت کام میں لگا دیجئے۔ راجہ کا علاقہ قرضہ دار
ہے دس لاکھ دہاں لگا دیجئے، کاغذ کی کھل کے حصے بک رہے ہیں تین چار لاکھ کی دہاں
کھپت ہے۔ جواہرات زیور سب اپنے قبضہ میں کر لیجئے۔ متفق کر کے اپنی مہر لگا کے
چنان مل کی کوٹھی میں رکھوادیجئے، کیونکہ خدا نخواستہ اگر قرقی آئی تو یہ سب ہاتھ سے
نکل جائے گا، یہ اختری بیگم کی عین خیر خواہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔ بیس لاکھ
کے نوٹ اپنے نام سے خرید کر لیجئے۔ ایسے میں نوٹوں کا بھاؤ اُتر امواہتے اس سے آئندہ
بہت بڑے منافع کی امید ہے۔ غرض کہ دُور انڈیشی بھی چاہتی ہے کہ اختری کے نام کی

جنہے نہ رہتے ورنہ میاں جان سب لے جائیگا۔ اور جب اُسکو یہ معلوم ہو گا کہ جائیداد کچھ بھی نہیں خالی لڑکی ہے اگر میں لے جاؤ نگا تو اپنے پاس سے کھلانا پڑے گا اس معاملہ سے خود ہی دست بردار ہو جائے گا۔

خورشید مرزا۔ اور ولایت کی سند میں جو تفصیل موجود ہے۔
مرآد علی۔ اُس کی تدبیر بہت سہل ہے۔ میں اس مشکل پر عذر کر جکا ہوں اور اُس کی تدبیر پر بھی آپ تردونہ فرمائیں میں سمجھہ ہوں گا۔

خورشید مرزا۔ میں تو اسی کو بہت دشوار ہجاتا ہوں۔
مرآد علی۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ کچھ دشوار نہیں ہے۔ مگر بالفعل قابل عرض کے نہیں ہے۔ آپ اگلے نہ ماں کے ہیں آپ کو قانونی پیچ اور مقدمہ بازی کے فن میں داخل ہیں ہے۔ اس معاملہ کے لئے اس خانہ زاد پر اعتماد کیجئے جب وہ وقت خداخواستہ آئیگا کہ آپ کی ذات سے کوئی تعریض ہو اُس وقت میں آپ کو صاف سمجھا لاؤں گا۔ بلکہ آپ کو عدالت میں جانے کی تکلیف نہ ہو گی اس خانہ زاد کے ہوتے حضور کو کوئی تکلیف نہ ہو سکتی ہے۔
خورشید مرزا کو مرآد علی کی قابلیت کا پہلے ہی سے یقین تھا اب اس مشکل کے وقت میں کل ذمہ داری پہنچنے سر بر اٹھا لئے کے وعدہ سے وہ یقین اور بھی پچھتا ہوتا جاتا تھا۔
مگر کبھی بھی یہ خیال بھی آری جاتا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے الگ جیسے بہ طاہر سرے فائدہ کے لئے کہتا ہے مگر اس میں اس کی غرض بھی شامل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں وقت پر دغادے کے مجبہ کو بلا میں جھونک دے۔ اور خود ایک معمولی کار نہ کی صیحت سے بالکل علیحدہ کھڑا ہو جائے۔

مرآد علی۔ ایک امر قابل گذارش ہے۔ میرے نام مختار نامہ اب تک نہیں ہے چھا صاحب سے کاغذوں پر سخن طلب کے کام چلا لایا کرتا ہوں۔ اب میرے نام مختار نامہ کا ہمہ جانا بہت ضروری ہے۔

خورشید مرزا۔ میرے نزدیک شیخ احمد علی کی حین حیات تک اسی طرح کام کی جائے۔
مراد علی۔ خانہ زاد کا کوئی حرج نہیں ہے مگر اکثر مقدمات دُور دُور کے اصلاح
میں ہیں اور آئندہ بکثرت ہوں گے۔ چھا صاحب دستخط بھی مشکل کر سکتے ہیں اُن کو
دوسرے اصلاح میں دستخط کے لئے کہاں لے جاسکتا ہوں۔ کیا خانہ زاد کے نام مختار
نامہ کر لے میں کوئی تردید ہے۔ اچھا اختری بگم صاحبہ کا مختار نامہ میرے نام ہو جائے
آپ بحیثیت ولی اُن کی طرف سے دستخط کر سکتے ہیں۔

خورشید مرزا۔ کسی دکیل سے اس میں مشورہ کر کے اطلاع دوکیا ایسا امکن ہے۔
مراد علی۔ (کچھ سوچ کے) اچھا تو حضور کے ذاتی مختار نامہ میں عجالت چاہئی، اچ
ھ طرار صاحب کو لے اُن کا سچھے بہت جلد کلکتہ جانا ہوگا، اُس سے پہلے یہ مختار نامہ میرے
نام ہو جانا چاہئے۔ اس کے بعد مراد علی رخصت ہوا۔ وہ ابھی رخصت نہ ہوتا اس اتنا ہیں حکیم
جعفر علی صاحب آگئے تھے اور خورشید مرزا صاحب کے حشم ابو سے مراد علی کو معلوم موا
گہ تخلیقہ منظور ہے۔ لہذا مراد علی قبل اس کے کہ اٹھایا جائے خود پلاگا۔ چلتے چلتے اسکا
جی پا ہتا تھا کہ خورشید مرزا اور جعفر علی کی ملاقات میں اسکو بھی دخل ور معقولات کا موقع
ہیا جائے۔ اس نے مراد علی نے ان الفاظ میں رخصت چاہی جس سے اس کو پیٹھے رہنے
کو کچھ نہ ہی تو اخلاقاً اجازت ہو جائے کیونکہ وہ حکیم جعفر علی کو چانتا تھا کہ یہ اسی زمانہ
کے ادمی ہیں، جو بل میں نے جنم ہائے ہی ایسا نہ ہو اُن کو کھول دیں تو میری تمام امور میں
خاک میں بدل جائیں گی۔ الفاظ رخصت طلب پڑتے۔

مراد علی۔ اگر میرا حاضر ہنا خلاف معاملات نہ ہو تو میں حاضر ہوں۔ ورنہ
رخصت ہوں۔

خورشید مرزا۔ اس کی اتنی حقیقت نہیں سمجھتے تھے کہ اُس کے حین طلب پر بجا ط
کیا جاتا۔ ہاں اب تم کوئی ہوئے دیر ہوئی اچھا جاؤ۔

مراد علی۔ دل میں کہتا جاتا ہے کہ جعفر علی صاحب کی کوئی حکمت یہاں نہیں
چل سکتی اس کو خبر نہ تھی کہ پڑھے لکھے آدمی بلا کے پنے ہوتے ہیں وہ بھی اسی زمانہ
کے تھے، خورشید مرزا کی طرح اگلے دفتوں کے بھولے آدمی نہ تھے۔

حکیم صاحب۔ کیا آپ دیر سے آئے ہوئے ہیں۔ اب کچھری کا وقت بھی ہے۔
آخر مراد علی کو جانا ہی پڑا۔

خورشید مرزا اور حکیم جعفر علی، بعد معمولی مزاج پُرسی کے،
خورشید مرزا۔ اب اختری بیگم کا مزاج روپا صلاح ہے کوئی شکایت باقی
نہیں ہے۔

حکیم صاحب۔ جی ہاں ماشا، اللہ جواہش نے بہت فائدہ کیا مگر اب اس کا
استعمال ترک ہو جائے، ہاں وہ عرق ہاضم برا بریتی رہیں، ذرا آپ تاکید رکھئے وہ اکثر
اپنے علاج سے غافل ہو جاتی ہیں۔ صرف ابھی باقی ہے مقویات ترک نہیں۔ ہاں
بہن جعفری بھی تو فیض آباد سے آگئیں۔

خورشید مرزا۔ اس پچھلی بات کا کسی قدر بے پرواہی بلکہ طنز سے جواب دیا،
جی لشريف لا یں۔ باب اس بیٹی سے بہت خفا تھے۔

حکیم جعفر علی۔ ان دونوں میں نہیں منتی۔

خورشید مرزا۔ کون دونوں۔

حکیم صاحب۔ بہن جعفری بیگم اور اختری بیگم میں۔

خورشید مرزا۔ اپنے آپس کا میں بلاپ ہے۔ میں تو اس میں زیادہ دخل نہیں دیتا۔

حکیم صاحب۔ میں نے اسی سے عرض کیا کہ اختری کے مزاج میں غیرت ہے

اور غصہ کے ضبط کرنے کی عادت ہے۔ ذرا سی بات خلاف مزاج ہوئی اور وہ دل ہی بل

میں رنج کرنے لگیں، یہ ان کی صحت کے لئے سخت مرض رہے۔ اس خاندان میں خاص امراض

کے پیدا ہوئے کی صلاحیت ہے اس سے خون ہوتا ہے۔

خورشید مرزا۔ خاندان کے نام سے سلسلہ خیالات اصل مقصود کی طرف رجوع ہوئے۔ (ہاں خوب یاد آیا جعفر علی تم لے کمبھی اپنی خالہ مرحومہ کی زبانی یا اور کسی سے سنا ہے کہ آخرتی کے کوئی حقیقی چیز میاں جان نامی زندہ ہیں۔

حکیم جعفر علی۔ جی نہیں میں نے تو کمبھی یہ نہیں سنا، میرے خیال میں تو علی جان مرحوم کے ایک بھائی تھے تو وہ ان کے حین حیات مر جکے تھے۔

خورشید مرزا۔ (فی الجملہ سکین ہوئی،) مگر یہ شہادت منفی ہے۔ کہنے والا اشانتی شہادت دیتا ہے، بلکہ خود میاں جان نے یہ اشتہار دیا ہے (اشتہار حکیم جعفر علی کو دکھانے کے) حکیم جعفر علی۔ یہ اشتہار یہاں کس نے پہنچایا۔ کیا آپ یہ اخبار منکرتے ہیں میں نے تو کمبھی یہ آگرہ کا اخبار لکھنؤ میں نہیں دیکھا خصوصاً آپ کے پاس۔

خورشید مرزا۔ اخبار مراد علی لایا ہے۔

مراد علی کا نام آتے ہی حکیم کا ذہن مقدمہ کی تہ کو پہنچ گیا، خصوصاً اس وجہ سے کہ چند روز ہوئے مراد علی آگرہ گیا تھا۔

حکیم صاحب۔ یہ اشتہار مراد علی آگرہ سے پہنچ ساتھ لائے ہوں گے ما جان میں آپ سے باہ را کہہ چکا ہوں کہ مراد علی بڑا مقدمہ ہے اور متوفی ہے۔

خورشید مرزا جعفر علی کی بیجا بدگمانی سے کسی قدر آزاد ہو کے تو کیا کی جائے

ع۔ باہمیں مردمان بیاں ساخت

مراد علی لایا ہو یا کوئی اشتہار موجود ہے۔ میاں جان کا پتہ موجود ہے۔ کسی کو جھوٹ اشتہار دینے کی جگات ہو سکتی ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ میاں جان خود اس فرضی ہو۔ مگر یہ قیاس سے بہت بعید ہے۔

اگلے لوگ سفیدی پر سیاہی چڑھانا یعنی کاغذ پر کچھہ تحریر کرنے کو نوشنہ کی سچائی کا

پورا ثبوت جانتے تھے کیا ایسے بے ایمان بھی ہیں جو کاغذ پر جھوٹی بات لکھتے ہیں۔ جھوٹی بات کا اخبار میں چھپ جانا اس کو تو قطعی محال جانتے تھے، خورشید مرزا اسی خیال کے تھے ان کو خبر نہ لھتی کہ اب دنیا میں اس کی آن نہیں رہی جس طرح جھوٹی بات منہ سے کہہ دینا سہل ہے اُسی طرح لکھنا یا اخبار میں چھاپ دینا صاحب اخبار کو واقعہ سے کیا غرض، بس اشتہار کی وجہت ملی، مشتہر کی ذمہ داری پر چھاپ دیا۔

حکیم جعفر علی (خورشید مرزا کی دیانت پر بھروسہ رکھتے تھے) تو پھر

آزاد کہ حساب یاک است ارجمندیہ چباک

اگر کوئی دعویٰ اردو لایت پیدا ہوگا۔ تو کیا ہوگا۔ اختری خود قانوناً بالغ ہوا چاہتی ہے۔ خورشید مرزا۔ (اختری بیکم کو ہمارے گھر سے تولے جائیں گے) خدا جلنے روپیہ کے لایح سے کیا سلوک کیا جائے حقیقت آیہ اندیشہ ہے۔

حکیم جعفر علی۔ رخود بھی تھوڑی دیر متر دوڑتے پھر بہت خوش ہو کے بولے، جی نہیں کیا مجال کسی کی جو اختری بیکم کو لے جاسکے۔ الہ آباد کوٹ کی نظیر ہو جو مہے کنابنے جب سن تیز کہ پنج گیا ہے یعنی دس گیارہ برس کے سن کے بعد اگر قانونی ولی کے پاس رہنا پسند کرے تو اس کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اُس کو جبراً رکھ سکے، مجھے تو خیال ہے کہ مرات برس کے سن کے بعد نابنے کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے لیکن دش بارہ برس کے بعد تو یقین کامل ہے کہ کوئی اُس کو جبراً پہنچنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ صرف حفاظت مال اور نگرانی ذات کی قانونی ولی کر سکتا ہے۔ وہ اس گھر میں ضرور رہ سکتی ہیں کیونکہ ماں کی وفات کے بعد یہاں بخیر و عافیت رہیں نہیں کوئی قسم کی تکلیف کا یہاں اندیشہ ہو سکتا ہے نہ ولی قانونی کو آپ کے اعلیٰ درجہ کی حیثیت اور عزت کو مشتبہ کرنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔

خورشید مرزا۔ دل میں اور یہ میں مراد علی کے اغوا سے کئی لاکھ روپے جو اپنے

تقریں میں لایا ہوں اس کا علم جعفر علی کو نہیں ہے، اس کی حساب ہنہی تو ولی قانونی ہر حال
میں لے سکتا ہے۔ مشکل یہ ہے، مگر میں جعفر علی سے اس کو بیان نہیں کر سکتا، مجھے پہلے
بھی اطمینان تھا اور آب تمہارے مشورہ سے اور بھی تقویت ہوئی، یہی اندر لیشہ تھا۔
تم کو یقین ہے کہ ایسی نظری موجود ہے۔

حکیم صاحب یقین کامل اکارپورٹ موجود ہے۔ میں یہ مقام ڈھونڈھ کے
نکال دوں گا، آپ خود ملاحظہ کر لیجئے گا۔

خورشید مرزا۔ مجھے تمہاری بات کا پورا یقین ہے، اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے
کہ نابالغ پر یہ جبر کیوں کیا جاتے کہ اگر مثلاً اسکو کسی سے اندر لیشہ ہو تو وہ اس کے قبضہ
میں رہنے پر کیوں محصور کیا جائے۔

آخرتی یہ ساری تقریں رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔ اب ایک حمایتی کو
ادب خبر ہونا باقی ہے یعنی لواب مرزا، حکیم جعفر علی اور لواب مرزا نے جو آخرتی کی حمایت
کا بیڑا لٹھایا ہے وہ خورشید مرزا کی محبت سے زیادہ مفہمد اور قابل قدر ہے۔ یہ دو شریف
جو اس مرد بلا غرض یا راجبی اور جائز لفظ کی امید سے آخرتی کے حمایتی بن گئے تھے۔
یہ آخرتی کی ذاتی نیکی اور خوش نیتی کا پھل تھا۔

باج

تم عدد کی جھوٹی قسموں پر نہ جاؤ — دُڑھی دن میں جھوٹ سچ کھل جائے

جعفر علی، خورشید مزرا کی اجازت سے گھر میں گئے، اختری کے رشتے کے بھائی تھے اور معراج، اُن کو اُس کے پاس تہائی میں جانے سے کون مانع ہو سکتا تھا، مگر جعفری کی تنک مزا جی کے خیال سے (بڑی سالی خفافہ ہو جائیں، پہلے انھیں سے ملے۔

جعفری۔ یہ آج مجھہ پر کیا غناہیت ہے؟ پہلے اپنے سرکار کا فزانج تو پوچھ لیا ہوتا رہا (یہ اختری کی طرف اشارہ تھا، انھیں وہ خفافہ ہو جائیں)۔

جعفر علی۔ راس کا کیا جواب دیتے کہ ایسی چھپھوڑی طبیعت اختری کی نہیں خدا جانے تھم اس کو کیا سمجھہ رہی ہو مگر خدا کی مار اس رازداری پر کہ اختری بخاری پر ظلم ہوتے دیکھتے ہیں اور منہ سے کچھہ نہیں کہہ سکتے، ابھی بھی جعفری کو معلوم ہو کہ اختری کی سرکار کے بد دلت اس چار دیواری میں بیٹھی حکومت کر رہی ہے ورنہ مکان کب کا نیلام ہو گیا ہوتا۔ جعفری بیگم صاحب اس محل میں نہ ہوتیں کسی تنگ و تاریک مکان میں جو چار پانچ روپیہ ماہوار کرایہ پر لیا جاتا پڑی ہوتیں۔ اُسی کی دولت کھاپیں اور اُس کو اٹھتے بیٹھتے آزاد رہنچا ہیں، جعفری بیگم سے جی نہیں ماموں جان کے بعد خدا اُن کو ہزاروں برس زندہ رکھے پھر آپ ہی توبزرگ خاندان ہیں اسلئے آپ کے پاس آنا ہمارا فرض ہے۔ کہیں فیض آباد میں کسی گذری۔

جعفری۔ سچ کہوں فیض آباد میں میرا دل نہیں لگا۔ جد ہر دن کھو کھر لیں۔

حکیم صاحب - بس کھر میں دیکھ لیں، وہاں کی نیک بجھی، شرافت مغاری کی بات کا خیال نہیں کیا۔ اچھا ہمارے لئے بھی کچھ لا میں، چلتے چلتے جھینگا پھر لیوں کے لئے کہا تھا۔

جعفری - لے ہے ان کی صورت سے تو مجھے گھن آئے گی، ہاں تھوڑا اتنا کوہاڑے لئے لائیں ہوں۔ ابھی صندوق نہیں کھولا ہے کھولوں گی تو مجھوا دل گی۔

حکیم صاحب - دیکھئے صندوق کب کھلتا ہے، امیدوار سواد بد انند۔

جعفری - صندوق کیا کھولتی، جب سے لوندٹی آئی تھے پھر کھر کے دھنڈوں میں لگادی گئی ہے، لوندٹی پیچھے پیوں نے جو کارستاں کر رکھی ہے لوندٹی کو پھگکنا پڑے گی۔

حکیم صاحب - با جی یہ آپ کیا کہتی ہیں، آپ گھر کی مالک ہیں سب آپ کا ادب کرتے ہیں، ما موں جان خود آپ کو مانتے ہیں۔ "ماننتے ہیں" اتنا حکیم صاحب کی زبان سے بکلا تھا کہ جعفری کا یہ حال ہوا جیسے کسی نے تھنکاری کے سر پر نک رکھ دیا۔ آئے تم بھی میرا جی جلانے، خاک مانتے ہیں غیر دل کچکے چکے ہزاروں دلے جا رہے ہیں۔ ہم نے موئے ایک پڑیں پیجا مہر کے لئے منہ پھوڑ کے کہا تو منہ بھوٹھا لیا۔ پچھوں میرا تو اس گھر میں رہنے کو جو ہیں چاہتا۔ یہ جانتی ہوں کہ باپ کی شکایت ہوئی ہے دوزخ میں گھر بنانی ہوں مگر کیا کروں جب آنکھوں سے لئے دیکھہ رہی ہوں تو کب تک چُپ رہوں، نہ بابا مجھ سے یہ اندر ہرہ دیکھا جائے گا۔ قرفہ ہے کہ گاؤں، باغ مکان، نیلام پر چڑھے ہیں مگر لوگوں کو چکے چکے تھیلیاں کی تھیلیاں پہنچانی جا رہی ہیں، اب تو رقہ بازی پر رد پیہ ملتے ہیں۔

حکیم صاحب اس نام شکایت کی اصلیت سے دافع تھے مگر دم مارنا منع تھا، آخر کسی طرح پیچھا چھڑا کے اخڑتی کے پاس گئے۔